اُردو ادبی نثر میں ایک اہم سنگِ میل: فورٹ ولیم کالج

ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم

Dr. Muhammad Ijaz Tabassam

Assistant Professor, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

فرحان ندیم

Farhan Nadeem

M.Phil Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Fort William College is the only institution of Urdu who performed a gripping role in the development and improvement of language and literature. Although the British ruler of that time here the different motive to establish that institution. They have the idea to establish the local languages particularly Urdu language to be learnt by the new employees of that time to fulfil their administrative and political needs. There was a tradition to write the fabricated the colourful pages in that era, and Fort William College negate to introduce the new technique and tradition of prose writing, this step of Fort William College was proved a basic effort and foundation to create the simple plan and common style of Urdu writings instead of the flowery language writtings. Mr. Gillcrist gathered prominent writers from all corners of India and started the activities for publications and compilation of into Urdu language. The purpose of this project was to be introduced to new employees about the civilization of social culture and religious values through Urdu languages, so it was selected Urdu fiction to obtain the aims and objectives. In this regard the name of FWC,s

(مولوی اکرام علی ولا، کاظم علی جوان، شیر علی افسوس، نہال چند *prose writers are very* لاہوری، مرزا علی لطف، میر بہادر علی حسینی، حیدر بخش حیدری، میر امن دہلوی) *prominent and remarkable writers, who are a milestone in the history of Urdu fiction.*

اردو نثر کی ترویج میں فورٹ ولیم کالج ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کالج کا قیام اگرچہ انگریزوں کی سیاسی مصلحتوں کے تحت عمل میں آیا لیکن اس سے اردو نثر کو بہت فائدہ پہنچا۔اٹھارویں صدی کے اواخر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اربابِ حل وعقد اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرنے لگے تھے کہ کمپنی کے نو وارد ملازمین کو ہندوستانی زبانوں خصوصاً اردو اور ہندی کی تعلیم دی جائے چنانچہ لارڈ ویلزلی گورنر جنرل نے وقت کے تقاضوں اور سیاسی مصلحتوں کے تحت ڈاکٹر گلکرسٹ کی سربراہی میں جنوری ۱۷۹۹ء میں ایک مدرسہ (Oriental Seminary) قائم کیا۔یہی مدرسہ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کا پیش رو ثابت ہوا۔اس ادارے کے مقاصد کا اندازہ گورنر جنرل کونسل میں لارڈ ویلزلی کی مفصل یادداشت اور کونسل کی ۲۱ ستمبر ۱۷۹۸ء و مابعد کی کاروائیوں کے ریکارڈ سے بخوبی ہوسکتا ہے۔لارڈ ویلزلی نے اپنی سفارش میں لکھا:

''ہندوستانی بول چال کی زبان میں (نو وارد رائیٹر) جو مہارت حاصل کریں گے اس کی بدولت کمپنی کی ملازمت کے دوران میں اپنے منصب کے تمام فرائض بھی وہ حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے سکیں گے۔'' (۱)

یہ دور اردو شاعری خصوصاً نظم کا دور تھا۔نثر کی شان یہ تھی کہ عبارت مقفیٰ اور مسجع تھی اور ظہوری و بیدل کے طرز پر مروج تھی۔اس وقت کے اردو نثر نگار ظہوری اور پنجر قعہ کی ایسی پیچیدہ اور مغلق عبارت لکھنے کے شائق تھے اور اسی قسم کی عبارت لکھنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔جب بھی کوئی عبارت نثر میں لکھنا ہوتی تو وہ نہایت رنگین اور پر تکلف انداز میں لکھی جاتی تھی۔تو اس دور میں فورٹ ولیم کالج ایک بنیادی اکائی ثابت ہوا جس نے اردو نثر کو مقفیٰ اور مسجع روایت سے نکال کر سادہ سلیس اور عام فہم اسلوب عطا کیا۔ یقیناً اُردو افسانوی ادب میں فورٹ ولیم کالج نے اک نئے طرزِ تحریر کی طرح ڈال کر مثالی نثر کو فروغ دینے میں اپنا اہم کردار ادا کیا ہے۔اردو نثر کے سادہ و سلیس اسلوب کو اجاگر کرتے ہوئے ڈاکٹر تبسم کاشمیری رقم طراز ہیں:

''فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر سے مسجع و مقفع قسم کے اس اسلوب کے خاتمے کا اعلان بھی کیا جس کی مثال ''نوطرز مرصع'' کی نثر بن گئی تھی۔''باغ و بہار'' کے نئے اسلوب نے ''نوطرز مرصع'' کے مثالی اسلوب کی ہمیشہ کے لیے تنسیخ کر دی تھی۔اردو نثر کی تاریخ میں یہ ایک انقلابی واقع تھا۔'' (۲)

فورٹ ولیم کالج میں ہندوستانی شعبے کے قیام کے بعد نو وارد انگریزوں کی تدریس کے لیے اردو کی کتابوں کی بہم رسانی اور انتخاب کا مسئلہ فوری طور پر سامنے آیا، ایسی کتب مطلوب تھیں جن کے ذریعے یہ نو وارد اُردو زبان بھی سیکھ پائیں اور انھیں ہندوستانیوں کے عادات و اطوار، تہذیب و معاشرت، روایت و اقدار اور رسومات و تعصّبات سے بھی پوری واقفیت ہو جائے۔اردو نثر میں جو چند ایک کتابیں تھیں وہ اس قدر دقیق، فارسی آمیز اور مقفیٰ و مسجع عبارت میں تھیں کہ مقصد پورا نہ کر سکتی تھیں۔ان حالات میں تین صورتیں ممکن تھیں:

(۱)اردو میں مستقل کتابیں لکھوائی جائیں۔
(۲)انگریزی سے اردو میں ترجمے کروائے جائیں۔
(۳)مشرقی زبانوں کے منتخب ادب کا ترجمہ کروایا جائے۔

پہلی صورت طویل المیعاد منصوبے کی متقاضی تھی جبکہ ضرورتیں فوری نوعیت کی تھیں۔دوسری صورت مقصد کو کما حقہٗ پوری نہیں کر سکتی تھی کیونکہ انگریزی کے جس ادب کا ترجمہ کیا جاتا وہ اپنے ساتھ اپنی روایات لاتا جبکہ کالج کے قیام کا مقصد بدیشی حاکموں کو دیسی معاشرت سے آگاہی بخشنا تھا۔علاوہ ازیں اردو اور انگریزی دونوں میں یکساں مہارت رکھنے والوں کا ملنا بھی سہل نہ تھا،اس لیے قابل عمل اور موزوں ترین صورت مشرقی ادبیات کا سلیس اردو میں ترجمہ کروانا تھا اور تدریسی مقاصد کے لیے افسانوی ادب ہی زیادہ مفید مطلب ثابت ہوسکتا تھا۔گلکرسٹ نے اسی خیال پر عمل شروع کیا اور اچھے لکھنے والوں کو ملک بھر سے منگوا کر کالج میں جمع کیا۔اس طرح تدریس کے ساتھ ساتھ کالج میں تصنیف وتالیف کا کام بھی شروع ہو گیا۔ہماری اس بات کی تائید گلکرسٹ کے ۱۲ جنوری ۱۸۰۲ء کے خط بنام کالج کونسل کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

> ''ایسی ہندوستانی کتابوں کے فقدان نے جن پر کچھ بھی بھروسہ کیا جا سکے مجھے فوری طور پر حسب ذیل کتابیں چھاپنے پر مجبور کر دیا ہے۔۔۔۔اور کلکتے کے تمام چھاپے خانوں کو میں نے اس کام پر لگا دیا ہے کیونکہ کم سے کم وقت میں اس کام کو انجام دینے کا یہی طریقہ میری سمجھ میں آیا۔''(۳)

گلکرسٹ کے اس خط بنام کالج کونسل سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ انہوں نے بدیسی حاکمانِ وقت کو دیسی معاشرت سے آگہی دینے،مقامی تہذیب وسماج،ہندوستانی اقدار وروایات اور یہاں کی تہذیبی زندگی سے شناسائی کے لیے جو اقدام اٹھایا وہ قابلِ قدر تھا۔لہذا تدریسی مقاصد کی تکمیل کے لیے مشرقی ادبیات کے ان معتبر فن پاروں (افسانوی ادب) کے تراجم کروائے گئے جن میں ہندوستان کے عادات واطوار،تہذیب ومعاشرت،روایات واقدار اور رسومات وتعصّبات بدرجہ اتم موجود تھے۔اس عہد میں جس نثری قصے کو زیادہ پزیرائی ملی وہ باغ وبہار ہے۔اس کے مترجم میر امن نے اس مہارت سے اس کو اُردو زبان میں منتقل کیا کہ یہ ان کا طبع زاد معلوم ہوتا ہے۔فورٹ ولیم کالج کے نثر نگاروں میں سب سے زیادہ شہرت میر امن دہلوی کو نصیب ہوئی۔سرسید احمد خاں کے قول کے مطابق:

> ''حقیقت میں نظم لکھنے میں جیسا کمال میرؔ کو ہے نثر لکھنے میں ویسا ہی کمال میر امن کو ہے۔''(۴)

میر امن دہلوی دلی کے رہنے والے تھے۔ان کے آباؤ اجداد سلاطین مغلیہ کے زمانے میں وظائف اور جاگیروں سے معزز وممتاز تھے۔احمد شاہ درانی نے جب دلی پر حملہ کیا تو فوج کی لوٹ مار میں میر امن کا گھر بھی شامل تھا اور سارج مل جاٹ نے ان کی جاگیروں پر قبضہ کر لیا تھا۔میر امن اس مصیبت میں دلی سے نکل کر پٹنہ پہنچے جہاں کچھ عرصہ رہ کر کلکتہ روانہ ہو گئے اور نواب دلاور جنگ بہادر کے چھوٹے بھائی میر کاظم خاں کی تعلیم وتربیت ان کے ذمے کی گئی۔اسی زمانے میں میر بہادر علی حسینی سے ان کی ملاقات ہوئی۔انہوں نے آپ کا تعارف ڈاکٹر گلکسٹ سے کروایا اور حسینی صاحب کی سفارش پر میر امن ۴ مئی ۱۸۰۱ء کو ماتحت منشی کے طور پر فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہوئے اور اس وقت آپ کی تنخواہ ۴۰ روپے ماہوار مقرر ہوئی۔فورٹ ولیم کالج کی ملازمت

کے دوررا ن ان کی دو کتابیں شائع ہوئیں، ''باغ و بہار'' اور ''گنج خوبی''۔ ''باغ و بہار'' کا ماخذ تحسین کی ''نوطرز مرصع'' ہے۔ ''باغ و بہار'' فورٹ ولیم کالج کی مقبول ترین مطبوعات میں سے ہے اور اس نے میر امن کو شہرت لازوال بخشی ہے۔ اس کی فصاحت و سلاست نے اسے وہ قبول عام دیا ہے کہ جب تک اردو زبان ہے یہ زندہ رہے گی۔ اس میں سے ایک اقتباس نمونے کے لیے ملاحظہ ہو:

> ''آگے روم کے ملک میں ایک شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اس کی ذات میں تھی۔۔۔۔ اس کے وقت میں رعیت آباد، خزانہ معمور، لشکر مرفہ، غریب غربا آسودہ، ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک گھر میں دن عید اور رات شب برات تھی۔''(۵)

میر امن کی دوسری تالیف ''گنج خوبی'' ملا حسین واعظ کاشفی کی ''اخلاق محسنی'' کا ملخص اردو ترجمہ ہے۔ میر امن نے ۱۸۰۲ء میں اس کا آغاز کیا اور ۱۸۰۳ء میں مکمل کیا۔ یہ ''باغ و بہار'' کی معیاری نثر سے کم تر ہے۔ اسے آزاد ترجمہ کہا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کو چنداں شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ کتاب کا موضوع اخلاقیات ہے۔ بقول میر امن:

> ''از بسکہ جتنی خوبیاں انسان کو چاہیں اور دنیا کی نیک نامی اور خوش معاش کے لیے درکار ہیں سو سب اس میں بیان ہوئیں۔ اس واسطے اس کا نام گنج خوبی رکھا۔''(۶)

میر امن دہلوی کے بعد فورٹ ولیم کالج کے اس پلیٹ فارم سے جس مصنف کو شہرت نصیب ہوئی وہ حیدر بخش حیدری ہیں۔ سید ابوالحسن کے فرزند ارجمند حیدر بخش حیدری عظیم شاعر اور نثر نگار تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق نجف اشرف سے تھا۔ حیدری کی ولادت دلی میں ہوئی۔ مگر تاریخ ولادت معلوم نہیں، تذکرے اس بارے میں خاموش ہیں۔ دلی کے حالات دگرگوں ہوئے تو حیدری کے والد کے معاشی حالات بھی بہتر نہ رہے۔ آپ نے تلاشِ معاش میں دلی کو خیر باد کہا اور لالہ سکھ دیو رائے کے ہمراہ بنارس جا کے سکونت اختیار کی۔ حیدری نے وہاں نواب علی ابراہیم خاں خلیل اور مولوی غلام حسین غازی پوری سے تعلیم پائی۔ فورٹ ولیم کالج میں منشیوں کی ضرورت کا سن کر آپ نے کلکتے کا رخ کیا اور ''قصہ مہر و ماہ'' لکھ کر ساتھ لے گئے۔ جان گلکرسٹ کو یہ قصہ پسند آیا اور انھیں ۴ مئی ۱۸۰۱ء کو منشی کالج رکھ لیا گیا۔ تاہم آپ ۱۸۱۳ء سے پہلے ملازمت سے سبکدوش ہو کر بنارس چلے گئے۔ یہاں ۱۸۳۳ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ حیدری فورٹ ولیم کالج کے مصنفین میں سب سے زیادہ کتابوں کے مولف ہیں۔ حیدری کی تالیفات حسب ذیل ہیں:

۱-''قصہ مہر و ماہ'' (۱۸۰۰ء)، ۲-''قصہ لیلیٰ مجنوں'' (۱۸۰۰ء) یہ امیر خسرو کی فارسی مثنوی کا اردو ترجمہ ہے۔ ۳-''تو تا کہانی'' ۱۸۰۲ء میں لکھی اور ۱۸۰۴ء میں چھپی۔ ۴-''قصہ حاتم طائی'' (آرائش محفل) ۱۹ اگست ۱۸۰۳ء۔ ۵-''ہفت پیکر'' (۱۸۰۵ء)۔ ۶-''گل مغفرت'' (گلشن شہیداں) ۱۸۱۲ء میں مرتب ہوئی۔ ۷-''گلزار دانش'' (۱۸۰۴ء)۔ ۸-''گلشن ہند'' (۱۹۶۷ء)۔ ۹-''تاریخ نادری'' (۱۸۰۹ء)۔ ۱۰-''گلدستہ حیدری'' (۱۸۰۲ء)

میر شیر علی افسوس فورٹ ولیم کالج کے مشہور مصنفین میں سے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد حضرت امام جعفر صادقؒ کی اولاد سے تھے اور خاف سے ہندوستان آ کر آگرے کے قریب نارنول میں متوطن ہوئے۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں ان کے باپ اور چچا آگرہ سے دلی آئے اور نواب میر خاں کی سرکار میں ملازمت اختیار کی۔ افسوس ۱۷۷۴ء کے لگ بھگ دلی میں پیدا

ہوئے۔اس کے بعد لکھنؤ میں ہجرت کی۔لکھنؤ میں ہی قیام کے دوران کرنل اسکاٹ نے انھیں فورٹ ولیم کالج کے لیے منتخب کیا۔انھوں نے کم وبیش ۹ سال کالج میں اپنی خدمات سرانجام دیں۔ان کی تصانیف میں ''گلستان سعدی'' کا ترجمہ ''باغ اردو'' کے نام سے ہے۔اس کے علاوہ ''آرائش محفل'' لکھی اور سودا کے کلیات کو دوبارہ سے شائع کروایا۔''آرائش محفل'' کے اسلوب کا نمونہ ملاحظہ ہو:

> ''جب سے یہ مرکز خاکی حیوانات کی آرام گاہ ہوا، سینکڑوں ہزاروں، لاکھوں شہر قصبے بسے اور بستے جاتے ہیں، کوئی ادنیٰ کوئی اعلیٰ لیکن ہندوستان کی سرزمین کا عالم سب سے نرالا ہے۔کوئی ولایت اس کی وسعت کو نہیں پہنچتی اور کسی مملکت کی آبادی اس کو نہیں لگتی۔''(۷)

شیر علی افسوس کی نثر رواں، سلیس اور معنویت سے بھرپور ہے۔انہوں نے ''آرائشِ محفل'' میں اپنے عہد کی تہذیبی زندگی، سماجی اقدار و روایات اور معاشی و سیاسی طرزِ حیات کا بخوبی عکس پیش کیا ہے۔سرزمین ہند سے ان کی فطری وابستگی، قدیم وجدید طرزِ تمدن اور یہاں کے بسنے والوں کے معمولات ومشمولاتِ زیست کا بیان جس فکری معنویت کے ساتھ کیا ہے وہ لامثالی ہے۔

بہادر علی حسینی شاہجہان آباد کے رہنے والے تھے۔ان کے حالات زندگی کسی معاصر تذکرے میں نہیں ملتے۔حسینی فورٹ ولیم کالج کے تیسرے بڑے مصنف اور میر منشی تھے۔درس وتدریس کے علاوہ انھوں نے تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا۔میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' کو حسینی نے ہی ''نثر بے نظیر'' میں ڈھالا۔انھوں نے گلکرسٹ کا رسالہ ''قواعد زبان'' مرتب کیا۔''اخلاق ہندی'' بھی ان کی تصنیف ہے۔وہ ترجمہ قرآن کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔حسینی نے اپنے فارغ اوقات میں ''لقمانی نکلیات'' کی دو جلدیں بھی مرتب کیں۔ان کا اسلوب سادہ ہے۔لیکن یہ داخلی حرارت سے معمور ہے۔انھوں نے اپنے معاوضے سے زیادہ کالج کی خدمات سرانجام دیں اور خود کو تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے درخشاں بنالیا۔''اخلاق ہندی'' کی عبارت کا نمونہ دیکھئے:

> ''سانپ ہر روز دو تین مینڈک کھانے لگا۔تھوڑے دنوں میں سب کو نگل گیا۔اکیلا بادشاہ رہا۔سانپ نے پوچھا اے بادشاہ! آج میں کیا کھاؤں؟ مجھے بھوک لگی ہے۔مینڈک نے کہا اے سانپ! کسی جھیل کے کنارے چل کر اپنا پیٹ بھر لے۔''(۸)

میر بہادر علی حسینی کی تمام تخلیقات میں سے ''نثر بے نظیر'' کو شہرت نصیب ہوئی۔''اخلاق ہندی'' میں انھوں نے علامتی انداز میں برصغیر کے شاہی سماج، یہاں کی تہذیب وثقافت اور معاشرتی اقدار و روایات کا نقشہ بھرپور انداز میں کھینچا ہے جس سے ان کے اپنے عہد کی تہذیبی تاریخ منعکس ہو کر سامنے آتی ہے۔

مرزا کاظم علی جوان کا اصل وطن دلی تھا۔۱۷۵۹ء میں احمد شاہ کے حملے کے بعد جوان لکھنؤ چلے گئے، جہاں مرزا سیف علی شگفتہ خلف نواب شجاع الدولہ کی سرکار سے وابستہ رہے۔ان کے خاندان، تاریخ پیدائش، تعلیم اور ابتدائی زندگی کے حوالے سے تمام تذکرے اور کتابیں خاموش ہیں۔کاظم علی جوان عربی اور فارسی کے اچھے عالم تھے۔ان کی تالیفات میں ''شکنتلا'' (۱۸۰۱ء)، ''بارہ ماہ'' یا ''دستور ہند'' (۱۸۰۳ء) اور ''سنگھاسن بتیسی'' (۱۸۰۱ء) شامل ہیں۔علاوہ ازیں انھوں نے کالج کے دیگر لکھنے والوں کے ساتھ ترجمہ ''قرآن مجید'' (۱۸۰۴ء)، ترجمہ ''تاریخ فرشتہ'' (۱۸۰۱ء)، ''انتخاب میر'' اور ''انتخاب سودا'' کی تکمیل میں شرکت کی۔کاظم علی جوان کا یادگار کارنامہ ''شکنتلا'' ہے۔اس کی عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے:

''ان دکھوں سے اس کو کبھی ایک دم آرام نہ تھا۔ سوا اٹھانے ان جفاؤں کے کام نہ تھا تا کہ اس خاکساری سے آرزو دل کی برآوے اور درخت سے مدعا کے پھل پاوے۔''(۹)

کاظم علی جوان کو ''شکنتلا'' سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی۔ مذکور اقتباس آپ کی نثر سادگی و سلیس کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں کہیں کہیں قافیے و ردیف کا التزام بھی کیا گیا ہے جس نے اس کو اور بھی دو چند کر دیا ہے۔

مرزا علی لطف کا نام علی تھا اور تخلص لطف کرتے تھے۔ آپ کے والد کا نام کاظم بیگ خاں تھا۔ آپ ۱۷۵۷ء اور ۱۷۶۱ء کے مابین پیدا ہوئے۔ درست تاریخ پیدائش کسی کتاب یا تذکرے سے نہیں ملتی۔ آپ فورٹ ولیم کالج کے با قاعدہ ملازم نہیں تھے لیکن آپ نے گلکرسٹ کی فرمائش پر ''تذکرہ گلشن ہند'' مرتب کیا۔ یہ پورا تذکرہ مقفیٰ و مسجع عبارت میں ہے جو عربی و فارسی تشبیہوں و استعاروں سے معمور ہے۔ ''گلشن ہند'' کی اگر تاریخی حیثیت نہ ہوتی تو لوگ اس کو بھول چکے ہوتے۔ اس کی نمونہ عبارت درج ذیل ہے:

''حاتم: حاتم تخلص، شاہجہان آبادی مشہور ریختہ گویوں میں سے دلی کے تھے۔ ہم عصر شاہ نجم الدین آبرو میر زار فیع سودا کا شاعر خوش بیان تھا۔ صاحب دو دیوان تھے۔ ایک دیوان میں نہایت خرچ ابہام کیا ہے اور دوسرا بطور متاخرین کے سرانجام کیا ہے۔''(۱۰)

''تذکرہ گلشن ہند'' میں کلاسیکی اردو ادب کے درخشاں ستارے جگمگا رہے ہیں۔ اس میں متقدمین، متوسطین اور متاخرین شعرائے اردو کا تذکرہ نہایت اختصار کے ساتھ شعری حوالوں سمیت موجود ہے۔ اگر چہ اس کی عبارت مقفیٰ و مسجع ہے مگر ان کا طرزِ بیان نہایت دلکش ہے۔

نہال چند لاہوری کو اپنی تصنیف ''مذہب عشق'' کی بدولت شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے حالات زندگی بھی صرف اسی قدر معلوم ہو سکے ہیں جتنے انھوں نے خود ''مذہب عشق'' کے مقدمے میں بیان کیے ہیں۔ وہ شاہجہان آباد کے رہنے والے تھے اور ڈیوڈ رابرٹسن کے ذریعے جان گلکرسٹ تک ان کی رسائی ہوئی۔ محمد عتیق صدیقی کے بیان کے مطابق نہال چند لاہوری کالج کے با قاعدہ ملازم نہیں تھے بلکہ گلکرسٹ نے خصوصی فرمائش کے ذریعے ان سے یہ کتاب لکھوائی تھی۔ مذہب عشق کی تکمیل ۱۸۰۳ء میں ہوئی۔ اسے فورٹ ولیم کالج کی دیگر کتابوں میں اس اعتبار سے انفرادیت حاصل ہے کہ اس میں ہندی الفاظ کی بجائے فارسی تراکیب اور پر شکوہ فارسی الفاظ کے استعمال کی طرف زیادہ جھکاؤ ہے۔ محاورات اور روزمرہ کم اور تشبیہات و استعارات زیادہ ہیں۔ گھریلو الفاظ بھی بڑی بے تکلفی کے ساتھ برتے گئے ہیں۔ نمونے کے طور پر ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''اس نے کہا اے بوستان سرداری کے نونہال! اب تک تیری گلشن جوانی کا شگوفہ بھی نہیں پھولا اور بہارستان شباب کے چمنوں کو بادصرصر کی پیری کا جھونکا بھی نہیں لگا۔ کیا لازم ہے جو تو سفر کر کے آتش کدہ محنت میں عمداً آپ کو گرائے اور آتش سرگردانی، قصر شادمانی میں قصداً لگائے؟''(۱۱)

''مذہب عشق'' کی عمدہ نثر دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے زیر سایہ لکھی گئی ان ادبی تحریروں میں نہ صرف برصغیر کی تہذیبی اقدار و روایات کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے بلکہ اس عہد کی تاریخی و سماجی زندگی اک آئینے کی طرح قاری کے سامنے عیاں ہوتی ہے۔ بوستان سرداری، گلشنِ جوانی کا شگوفہ، بہارستان شباب، بادصرصر، آتش کدہ محنت، آتش

سرگردانی اور قصر شادمانی جیسی لفظیات نے اس کے اندر دلکشی پیدا کر دی۔

مولوی اکرام علی ۱۷۸۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳۷ء میں وفات پائی۔ وہ گلکرسٹ کے دور کے بعد کالج میں ملازم ہوئے۔ انھوں نے کالج میں ''رسائل اخوان الصفا'' میں سے ایک رسالہ اردو میں منتقل کیا جو ۱۸۰۱ء میں مرتب ہوا۔ یہ رسالہ مولوی صاحب کی واحد یادگار ہے۔ اگرچہ وہ اس کے بعد بھی کالج میں رہے اور ۱۸۱۴ء میں کالج کے محافظ کتب خانہ تھے لیکن ان کی کسی اور تالیف کا پتہ نہیں چلتا۔ مولوی اکرم علی نے ''اخوان الصفا'' کے دقیق مطالب کو انتہائی آسان، سلیس اور سادہ زبان میں بیان کیا۔ عربی اور ہندی کے نامانوس الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے۔ انھوں نے محاورہ نہ استعمال کرتے ہوئے بھی بیان میں سنجیدگی کے ساتھ ساتھ دلچسپی پیدا کی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

> ''اللہ تعالیٰ نے جس گھڑی انسان کو پیدا کیا عریان محض تھا۔ بدن پر کچھ نہ تھا کہ سردی گرمی سے محافظت میں رہیں۔ پھل پھلاری جنگل کی کھاتے اور درختوں کے پتوں سے تن کو ڈھانپتے''(۱۲)

مولوی اکرام علی سادہ و سلیس نثر کے ذریعے اپنا مافی الضمیر بڑی عمدگی سے بیان کرتے ہیں الغرض فورٹ ولیم کالج کے زیر اثر لکھنے والوں نے اُردو ادبی نثر کو معرب و مفرس طرز بیان سے نکالنے کی لگن کی یقیناً یہ عہد اردو ادبی نثر میں اک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ میر امن دہلوی، حیدر بخش حیدری، شیر علی افسوس، میر بہادر حسینی، مرزا کاظم علی جوان، مرزا علی لطف، نہال چند لاہوری اور مولوی اکرام علی ولا نے اپنے عمدہ طبع زاد تراجم اور بہترین تخلیقات کے ذریعے اُردو افسانوی ادب کا دامن وسیع کیا۔ ان کی اس ادبی خدمت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

حوالہ جات

۱۔ محمد عتیق صدیقی، گلکرسٹ اور اس کا عہد، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۷۹ء، ص:۱۱۱

۲۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص:۴۹۴

۳۔ محمد عتیق صدیقی، گلکرسٹ اور اس کا عہد، ص:۱۴۴

۴۔ سر سید احمد خاں، آثار الصنادید، علی گڑھ: سر سید اکیڈمی، مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۷ء، ص:۱۰۶

۵۔ میر امن، باغ و بہار، مرتب: رشید احمد خاں، دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۴ء، ص:۱۰

۶۔ میر امن دہلوی، گنج خوبی: مرتب: خواجہ احمد فاروق، نئی دہلی: شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، ۱۹۶۶ء، مقدمہ

۷۔ افسوس، شیر علی، آرائش محفل، لاہور: مطبع سرکاری، ۱۸۶۵ء، ص:۸

۸۔ حسینی، میر بہادر علی، اخلاق ہندی، لاہور: مجلس ترقی ادب، دسمبر ۱۹۶۳ء، ص:۱۵۶

۹۔ جوان، مرزا کاظم علی، شگفتلا، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء، ص:۱۱

۱۰۔ لطف، مرزا علی، تذکرہ گلشن ہند، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو، ۱۹۸۶ء، ص:۸۰

۱۱۔ نہال چند لاہوری، مذہب عشق، مرتبہ: خلیل الرحمان داودی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء، ص:۴۳

۱۲۔ اکرام علی، مولوی، اخوان الصفا، مرتب: احراز نقوی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء، ص:۵۰

☆.....☆.....☆